chapter. 8

باب ہشتم

تعلیمی نظریات

۱۔ مولانا آزاد بحیثیت وزیر تعلیم

۲۔ تعلیمی نظریہ

باب ہشتم

تعلیمی نظریات

۱ . مولانا آزادؔ بحیثیت وزیر تعلیم:

مولانا ابوالکلام آزادؔ ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم بنے اور اس حیثیت سے انہوں نے اپنی زندگی کے آخری گیارہ سال نظام تعلیم کے سلسلے میں متعدد کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ان کی کثیر الجہات شخصیت کے گوناگوں پہلوؤں میں علم کا پہلو سب سے زیادہ نمایاں اور آبدار ہے۔ان کی ذات کو مجسم علم کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہے۔ وہ علم و فضل کی بے شمار صلاحیتوں کے مالک تھے اور بے جا تقلید سے گریز تھے۔ انہوں نے اپنے تہذیبی ورثے اور روایات کا جائز احترام کیا اور جدید خیالات و رجحانات سے بھی آگاہ رہے۔فلسفۂ قدیم و جدید پر وہ ناقدانہ نگاہ رکھتے تھے اور تعلیم میں گہرائی اور گیرائی دونوں کے قائل تھے۔ آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم کی حیثیت سے انہوں نے تعلیم پر خصوصی توجہ کی۔ تعلیم کی اہمیت و افادیت کو بنیادی ضرورت سمجھتے ہوئے مولانا آزادؔ نے فرمایا۔

”آزادی نے عوام کے دلوں میں بہت سے توقعات پیدا کر دیئے لیکن بد قسمتی سے ملک کی تقسیم کے ساتھ ہی ایسے مسائل پیدا ہو گئے، جن کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔اس کے بعد پچھلے مہینوں کی مالی مشکلات ہماری قومی زندگی کے ہر شعبہ کی راہ میں حائل ہو گئیں۔ تعلیم بھی اس سے بچ نہیں سکی۔ حکومت ہند کی دلی تمنا ہے کہ ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں کہ مالی دشواریوں کے باوجود تعلیمی منصوبوں پر عمل در آمد شروع کر دیا جائے۔“(۱)

مولانا آزادؔ کے عہد وزارت میں تعلیمی منصوبہ بندی کا آغاز ہوا۔بحیثیت وزیر تعلیم، عہدہ سنبھالتے ہی وہ سب سے پہلے تعلیمی کمیشن کی طرف متوجہ ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں انہوں نے یونیورسٹی ایجوکیشن کمیٹی قائم کی۔ پنڈت رادھا کرشنن کو اس کمیٹی کا چیرمین منتخب کیا۔انہوں نے اپنے ساتھیوں کے مشورے سے تعلیم کا تفصیلی جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ سب سے پہلے مفت اور

---

(۱) دوسرا سال۔ یو۔ پی۔ گورنر۔ پبلکشن بیورو (ص۔ ۹۵)

لازمی ابتدائی تعلیم کے مسئلے کو حل کیا جائے اور ثانوی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے ۱۹۵۲ء میں سکنڈری ایجوکیشن قائم کیا گیا۔ مولانا آزاد نے تعلیمی منصوبوں کا از سر نو جائزہ لیتے ہوئے اس کی تنظیم و تشکیل کا تصور ان لفظوں میں واضح کیا۔

"ہمارے قومی بجٹ میں تعلیم کو اعلیٰ ترین ترجیح ہونی چاہئے اور اس کا درجہ خوراک اور پوشاک کے فوراً بعد آنا چاہئے۔ان مسائل کو حل کرنے کے لئے سچ تو یہ ہے کہ ایک مناسب تعلیمی نظام کا ہونا ضروری ہے۔۔۔جن بڑے امور پر عنقریب غور کیا جائے گا ان میں۔۔۔ایک قومی عجائب خانہ کا قیام ،بنیادی تحقیقی کام کا بہتر بندوبست ، تعلیم کی نئی اسکیم میں اساتذہ کے لئے ہدایت نامہ کی تیاری ،ایک عام نصاب کی تیاری ، تعلیم کے سلسلے میں تجربے کرنے والی درسگاہوں کو زر امداد ، آثار قدیمہ کے مطالعہ کی حوصلہ افزائی ،عوام کی تعلیم کے نئے ذرائع مثلاً براڈ کاسٹ اور فلموں سے پوراپورا فائدہ اٹھانا۔"(۲)

وزیر تعلیم کی حیثیت سے مولانا آزاد نے اپنی مذکورہ تمام اسکیم کو انتہائی سوجھ بوجھ اور مستعدی سے عملی جامہ پہنایا۔وہ ٹیکنیکل تعلیم کی اہمیت کو بخوبی سمجھتے تھے۔انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ "اتنے بڑے ملک میں ۱۹۴۸ء میں صرف ساڑھے نو سو انجینئر اور سوا تین سو کے قریب دوسرے ٹکنالوجی سے فارغ تعلیم ہیں۔ جب کہ ملک کو ہزاروں انجینئروں اور پیشہ ور نوجوانوں اور ڈاکٹروں کی ضرورت تھی۔"(۳)

چنانچہ انہوں نے سرکاری مدارس میں سائنس اور ٹکنالوجی کی تعلیم پر بہت زور دیا اور اسے نصاب میں داخل کرنے کی ہدایت دی۔ ان کا خیال تھا کہ ملک کو خود کفیل بننے کے لئے سائنس اور ٹکنالوجی کی طرف پوری توجہ دینی چاہئے۔ان خیالات کو بروئے کار لانے کے لئے انہوں نے "آل انڈیا کاؤنسل آف سائنس اینڈ ٹیکنیکل ایجوکیشن" کی بنیاد رکھی۔اس کاؤنسل کے ذریعے پورے ملک میں ٹیکنیکل ایجوکیشن کا جال بچھا دیا گیا۔مولانا آزاد نے کھڑک پور انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی کے افتتاح کے موقع پر اپنے تعلیمی موقف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"میرا پہلا کام تھا، ٹیکنیکل تعلیم کی طرف توجہ دوں تاکہ اس سلسلے میں ہم خود کفیل ہوسکیں

---

(۲) مولانا ابوالکلام آزاد (ذہن و کردار) عبدالمغنی (ص۔۸۷)

(۳) تعلیمی مفکرین اور ان کے تجربات۔ مولفہ الحاج عبدالاحد شاہ (ص۔۱۵۶)

۔ہمارے بہت سے نوجوان جو اس تعلیم کے حصول کے لئے غیر ممالک میں جاتے ہیں، میں اس دن کا انتظار کر رہا ہوں جب غیر ممالک کے طلبہ ہندوستان میں اس تعلیم کو حاصل کرنے آئیں۔"(۴)

مولانا آزاد کی یہ کوششیں برگ و بار لائیں، جب اس ادارے سے ۱۹۵۵ء میں پہلے گروہ کی تعلیم مکمل ہوئی تو ہر طالب علم کے پاس نوکری کے تقررنامے موجود تھے۔ ان کی کوششوں اور کاوشوں سے ٹیکنیکل اداروں کے علاوہ ایٹمی ترقی کا ادارہ الگ وجود میں آیا اور صنعت، زراعت اور دیہی ترقی کے لئے سائنسی ادارہ "انڈین کاؤنسل فار ایگریکلچر اینڈ ریسرچ" قائم کیا گیا۔ دنیا کے دیگر ممالک کی تہذیب و اقتدار کو سمجھنے کے لئے "انڈین کاؤنسل فار کلچرل ریلشنز" کا قیام عمل میں آیا ۔اسی طرح سائنس کی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے پورے ملک میں "لباریٹری" کے ساتھ "انڈین کاؤنسل فار سائنس ریسرچ" کی بنیاد ڈالی گئی اور بیرونی ممالک کی علمی سرگرمیوں سے واقف رہنے کے لئے "انڈین کاؤنسل فار انٹرنیشنل ریسرچ" کا قیام عمل میں آیا۔ان اداروں کے قیام کا مقصد مولانا آزاد کے نزدیک تعلیم میں گہرائی و گیرائی پیدا کرنا تھا۔ وہ متحدہ قومیت کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی اتحاد کے بھی حامی تھے ۔ان کا خیال تھا کہ تعلیم میں ایک دوسرے کا باہمی تعاون تعلیمی ترقی کا باعث ہوگا۔ چنانچہ ہمہ گیر تعلیمی توسیع کے لئے انہوں نے بین الاقوامی اتحاد کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرمایا۔

"آج دنیا قومیت کی نہیں بلکہ فوق القومیت کی طالب ہے۔ بظاہر عصر حاضر میں تنگ نظری کے لئے مطلق گنجائش نہیں ہے۔اقوام عالم کی صف میں اگر ہم کوئی ممتاز مقام پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کا امکان صرف اسی صورت میں ہے کہ ہم نظریاتی اعتبار سے بین الاقوامی نقطۂ نظر کے حامل ہو جائیں۔"(۵)

مولانا آزاد کو عالمی تاریخ سے بے حد لگاؤ تھا۔ تاریخی حقائق پر ان کی بہت گہری نظر تھی۔ وہ تاریخ میں غیر جانبدارانہ انداز اختیار کرنے کے حامی تھے۔ ۱۹۴۸ء میں انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن کے اجلاس میں خطبہ دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔

"انگریزوں کے عہد میں لکھی ہوئی تاریخ قابل اعتنا نہیں سمجھی جاسکتی کیونکہ تاریخ داں، خواہ

---

(۴) فکر و نظر (سہ ماہی) علی گڈھ ۱۹۹۲ء مظفر حسین غزالی (ص۔ ۷۶)

(۵) مولانا ابوالکلام آزاد (ذہن و کردار) عبدالمغنی (ص۔ ۸۴)

غیر ملکی حکمراں طبقہ کے حامی ہوں ، محبانِ وطن دونوں جانبدار رہے ہیں۔ لہٰذا آزاد ہندوستان کے مؤرخ کا فرض ہے کہ وہ اپنے فرائض سے کماحقہ عہدہ برآ ہونے کی سعی کرے۔"(۶)

بحیثیت وزیر تعلیم مولانا آزاد نے قومی اور عالمی اتحاد کے پیش نظر سماجی علوم کی تعلیم پر بہت زور دیا۔اس مقصد کی تکمیل کے لئے انہوں نے "انڈین کاؤنسل فار ہسٹاریکل ریسرچ "اور "انڈین کاؤنسل فار سوشیل سائنسز ریسرچ" قائم کیا۔ان اداروں کا دائرۂ کار اقتصادیات ،معاشیات، اور سماجیات تک پھیلا ہوا تھا۔سماجی علوم کی تعلیم کے لئے مختلف طریقے ،مضامین کے انتخاب اور وسائل کے استعمال کی صراحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"سماجی علوم کے مضامین بچے کو ہندوستانی معاشرہ ،نظام سیاست ومعیشت اقتصادی اور ملک کو درپیش سماجی اور سیاسی چیلنجوں کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہونے چاہئیں۔ اس مرحلے پر سماجی علوم کی تعلیم سے ہم عصر دنیا کے مسائل اور ان میں ہندوستان کا کردار ،امن عالم ،بین الاقوامی تعاون ،نوآبادیاتی نظام کا خاتمہ اور انسانی حقوق کا تحفظ جیسے مسائل کی نوعیت کو سمجھنے میں پیش رفت ہونی چاہئے۔"(۷)

مولانا آزاد بین الاقوامی انگریزی زبان کی اہمیت و افادیت سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے انگریزی تعلیم کی حمایت بعض مغربی تعلیم یافتہ لوگوں سے زیادہ کی ۔انگریزی تعلیم سے مولانا آزاد کی وابستگی ظاہر کرتے ہوئے محمد اجمل خان لکھتے ہیں ۔

"مولانا آزاد بار بار جدید علوم وفنون کے حصول اور انگریزی زبان کی تعلیم کو لازمی قرار دیتے تھے کیونکہ اس زبان کے ذریعے نہ صرف ہندوستان بلکہ کل دنیا میں اپنے خیالات کی اشاعت اور دوسروں کے خیالات سے استفادہ ہو سکتا ہے۔" (۸)

مولانا آزاد کا خیال تھا کہ مغربی تعلیم نے علوم دنیوی کی راہیں کھولیں اور انگریزی زبان نے اپنے علوم وفنون کے خزانے پیش کر دئے ۔انہیں قوم سے اس بات کی شدید شکایت بھی رہی کہ وہ اپنے دل ودماغ کے دریچے کو بند رکھتی ہے اور نئے نئے علوم کی تازہ ہوائیں اپنے اندر داخل نہیں ہونے دیتی ۔وہ انسانوں کی ترقی اور بقاء کے لئے جدید علوم خصوصاً انگریزی تعلیم کو لازمی قرار دیتے

---

(۶) فکر و نظر (سہ ماہی) علی گڈھ ۔ابوالکلام آزاد نمبر اگست ۱۹۸۹ء مولانا آزاد اور تعلیم۔ جناب محمد قاسم صدیقی (ص۔۱۶۹)
(۷) فکرو نظر (سہ ماہی) علی گڈھ ۱۹۹۲ء مظفر حسین غزالی (ص۔۷۷)
(۸) مولانا ابوالکلام آزاد کے نام ادبی خطوط و جوابات آزاد۔ محمد اجمل خان (ص۔۵)

تھے۔چنانچہ فرماتے ہیں۔

”ہم اپنی مادّی دولت اور سازو سامان کو جغرافیائی حدبندیوں میں قید کر سکتے ہیں لیکن علم اور تہذیب کی دولت پر پابندی نہیں لگا سکتے، وہ تو انسانوں کی میراث ہیں۔“(۹)

مولانا آزاد معلم اخلاق تھے۔ہندوستان کے وزیر تعلیم ہونے کی حیثیت سے انہوں نے مذہبی تعلیم کی نوعیت اور اہمیت پر بھی غور کیا۔مولانا خود عالم تھے۔ لہٰذا انسانی زندگی اور تعلیم دونوں میں مذہبی اقدار کو بڑی اہمیت دیتے تھے لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہندوستان جیسے سیکولر ملک میں مذہبی تعلیم ممکن نہیں کیونکہ اس سے فرقہ وارانہ مذہبی اختلاف پیدا ہوجائے گا۔ چنانچہ انہوں نے سرکاری اسکولوں میں مذہبی تعلیم کو داخل ہونے سے باز رکھا۔اس سلسلے میں انہوں نے بہت محتاط رویّہ اختیار کرنے کی تلقین کی تاکہ بے جا مذہبیت کا زور نہ بڑھ جائے۔

مولانا آزاد نے سرکاری مدارس کے نصاب میں مذہبی تعلیم کی حمایت تو نہیں کی لیکن وہ قومی تعلیم کے ذریعے طلبہ کے اخلاقی اقدار کی آبیاری ضرور چاہتے تھے۔ وہ اخلاقی اقدار کو سیرت سازی کے لئے ضروری قرار دیتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے قومی تعلیم میں فنون لطیفہ کے لئے خصوصی توجہ کی۔ ان کا خیال تھا کہ شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں مصوری، موسیقی، رقاصی، سنگ تراشی اور ڈراما وغیرہ بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ فنون لطیفہ سے خود انہیں بھی بڑا شغف تھا۔ اس لئے انہوں نے اس کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں ہونے دیا۔ ۵، مئی ۱۹۵۴ء میں فنون لطیفہ کی ایک نمائش کا افتتاح کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

”فن برائے فن اور فن برائے زندگی کی بحث قطعی فضول ہے۔ دراصل دونوں مقولوں کے بطن میں ایک ہی حقیقت مخفی ہے۔ حقیقی فن افراد کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا محتاج نہیں ہوا کرتا لیکن ایسی صورت میں وہ سب کے جذبات کی نمائندگی بھی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معیاری فن ہمیشہ حقیقی تعلیم کا مؤثر ذریعہ ہوتا ہے۔ وہ جذبات کو سنوارتا ہے اور ادراک و تخیل کی تربیت کرتا ہے۔ سیاسی طور پر دنیا علاحدہ علاحدہ جماعتوں میں تقسیم ہوتی ہے لیکن فلسفہ، ادب اور فن کے معاملے میں انسانی برادری کی سالمیت برقرار رہتی ہے۔ اس میدان میں ایک ذہن کی تخلیق، ساری نوع انسانی کا سرمایہ بن جاتی ہے۔“(۱۰)

---

(۹) فکرو نظر (سہ ماہی) علی گڈھ۔ ابوالکلام آزاد نمبر اگست ۱۹۸۹ء مولانا آزاد اور تعلیم۔جناب محمد قاسم صدیقی (ص۔۱۶۷)

(۱۰) فکرو نظر (سہ ماہی) علی گڈھ۔ ۱۹۹۲ء مظفر حسین غزالی (ص۔۷۷)

مولانا آزاد نے فنون لطیفہ کی اہمیت کو گردانتے ہوئے کئی اکادمیاں قائم کیں۔ ادب کے فروغ کے لئے ساہتیہ اکادمی، رقص اور موسیقی کے لئے سنگیت ناٹک اکادمی اور مصوری وغیرہ کے لئے للت کلا اکادمی کا قیام عمل میں آیا۔ ان تینوں اکادمیوں کے سربراہ خود مولانا ہی تھے۔ ان کادمیوں کا مقصد ملک کے مختلف علاقوں کے تہذیبی ورثوں کو قومی سطح پر ایک فنی وحدت اور فروغ عطا کرنا تھا۔ مولانا آزاد کا تعلیمی شعور، ان کی گہری سوجھ بوجھ اور ان کی تنظیمی صلاحیتوں نے تعلیم کے شعبوں میں ترقی کی رفتار تیز تر کردی۔

مولانا آزاد کی تعلیمی پالیسی کا ایک رخ اعلیٰ تعلیم کا فروغ تھا۔ اس مقصد کے تحت انھوں نے چنتا منی دیش مکھ کی سرکردگی میں (U.G.C.) یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی تشکیل دی جس نے ملک کے مختلف علاقوں میں یونیورسٹیاں قائم کیں اور ان تمام تعلیمی درسگاہوں میں ایک ضابطہ بندی اور معیار بندی پیدا کی۔ اعلیٰ تعلیم کے میدان میں مولانا آزاد نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ طلبہ کی قابلیت کی سطح بلند کی جائے۔

مولانا آزاد ہندوستان کے وزیر تعلیم ہونے کے ساتھ ہی کانگرس کے سابق صدر اور ملک کی کابینہ کے اہم رکن بھی تھے۔ انھوں نے مسلم ممالک سے حکومت ہند کے روابط کو مضبوط رکھنے کے لئے مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی ادارت میں "ثقافت الہند" جاری کیا۔ ادارۂ علوم شرقیہ، علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں اور ادارۂ اسلامی، حیدرآباد کی جامعہ یونیورسٹی میں قائم کیا اور تعلیمی نظام میں اس علاقے سے ہندوستان کے تعلقات کو بڑی اہمیت دی۔ انھوں نے اپنے عہد وزارت میں قدیم ورثوں کی حفاظت کے لئے ضروری اقدامات بھی کئے۔ نیشنل آرکایوز اور نیشنل میوزیم میں بیش قیمت دستاویزوں اور نشانیوں کو محفوظ رکھنے کی اہمیت انھی کے زمانۂ وزارت میں محسوس کی گئی۔

مولانا آزاد نے ہندوستان کی زبانوں کے مسئلے پر بھی غور کیا۔ سنسکرت اور ہندوستان کے قدیم اثاثے کی بازیافت اور اس کی تعلیم و تدریس پر بھی انھوں نے زور دیا۔ ان علوم کو وہ ہماری عظیم الشان روایت کا اہم حصہ گردانتے تھے۔ ان کی ہدایت پر اس مقصد کے حصول کی خاطر کئی یونیورسٹیاں اور اعلیٰ تعلیمی مراکز قائم کئے گئے۔ انھوں نے اردو زبان کو اپنا جائز حق دلوانے کی بہت کوششیں کیں جسے عوام و خواص کے علاوہ حکام طبقے نے تسلیم بھی کر لیا۔ لیکن بعد میں رسم الخط کا تنازعہ اس قدر بڑھا کہ ہندوستان کی فطری اور قومی اردو زبان دو حصوں میں منقسم ہوگئی۔ آزادی

کے بعد پارلیمنٹ کی ایک تقریر میں مولانا آزاد نے زبان کے متعلق کئے گئے فیصلے میں ہندوستانی اور اردو کو نظر انداز کئے جانے پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ چھپانا نہیں چاہتا کہ بحیثیت مجموعی زبان کے مسئلے پر ہم نے صحیح فیصلہ نہیں کیا۔ صحیح فیصلہ اسی وقت ہوتا، جب ہم قومی زبان کا نام ہندوستانی رکھتے۔۔۔ میں صفائی سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ ایک مخصوص زبان کو ٹھونسنا چاہتے ہیں۔۔۔ صحیح چیز میری رائے میں یہی تھی کہ ہندوستانی قومی زبان ہو اور تمام سرکاری کارروائی ہندی رسم الخط میں ہو لیکن جہاں تک سرکاری کاغذات کی اشاعت کا تعلق ہے، وہ اردو رسم الخط میں بھی ہونی چاہیے۔" (۱۱)

بحیثیت وزیر تعلیم مولانا آزاد نے ابتدا ہی سے تعلیم نسواں کے لئے بہت کوششیں کیں۔ وہ لڑکیوں کی تعلیم کو کسی بھی اعتبار سے لڑکوں کی تعلیم سے کمتر نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ تعلیم نسواں کو لازمی قرار دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ لڑکیوں کی تعلیم سے انسانی زندگی کے آدھے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ ایک پریس کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے انہوں نے تعلیم نسواں کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا تھا۔

"تعلیم سماج کے ہر طبقہ کے لئے لازمی ہے۔ سب کی ترقی کے لئے سب کا ہی تعلیم سے باخبر ہونا ضروری ہے۔ ترقی کے لئے تعلیم سے زیادہ اور کوئی کامیاب ذریعہ نہیں ہے۔ تعلیم سب کا پیدائشی حق ہے۔۔۔ اگر ہماری عورتیں تعلیم حاصل کرنے لگیں تو ہمارا آدھا مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا کیونکہ تعلیم یافتہ مائیں ہمارے تعلیمی نظام میں بچوں کو تعلیم یافتہ بنانے میں سب سے زیادہ مؤثر ثابت ہوں گی۔" (۱۲)

مولانا آزاد نے تعلیم نسواں کے ساتھ تعلیم بالغاں (سماجی تعلیم) کی اہمیت پر بھی زور دیا۔ ان کا پختہ عقیدہ تھا کہ تعلیم بالغاں سے خواندگی کی اوسط بڑھے گی اور تعلیمی ترقی ہوگی۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ تعلیم کی ترقی سماج کی ترقی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ان کے نزدیک تعلیم بالغاں کے تین اہم پہلو تھے۔ا۔ خواندگی ۲۔ ذہنی بیداری اور ۳۔ انہیں اپنے ضروری حقائق و فرائض سے آگاہی۔ مولانا آزاد نے تعلیم بالغاں کے سلسلے میں ایک پریس کانفرنس میں کہا تھا۔

---

(۱۱) مولانا ابوالکلام آزاد (ذہن و کردار) عبدالمغنی (ص ۔ ۸۸)
(۱۲) فکر و نظر (سہ ماہی) علی گڈھ ۱۹۹۲ء مظفر حسین غزالی (ص ۔ ۷۸)

"سماجی تعلیم اور تعلیم بالغاں ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ ہمیں عوام کو اچھے شہری بنانے کے لئے نہ صرف انہیں لکھنا پڑھنا سکھانا ہے بلکہ انہیں سماجی تعلیم کے ذریعے زندگی کی بنیادی قدروں کی طرف بھی توجہ دلانی ہے۔" (۱۳)

مولانا آزاد اپنے عہد وزارت میں اساتذہ کی اہمیت اور ان کے حقوق سے بھی غافل نہیں رہے۔ وہ اساتذہ کو لائق احترام تصور کرتے تھے اور ان کی ذات میں تمام اخلاقی اوصاف دیکھنے کے متمنی تھے۔ انہوں نے اپنی تعلیمی پالیسی میں اساتذہ کی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے بہت زور دیا اور ان کی علمی لیاقت و استعداد میں اضافے کے لئے جامع تربیتی پروگرام تیار کرنے کی ہدایت دی۔ انہوں نے اساتذہ کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ان کی سربلندی کے لئے سب سے پہلے آواز اٹھائی تھی اور کہا تھا۔

"پرانے زمانے میں استادوں کا احترام بہت زیادہ تھا لیکن آج کل ایک غریب مدرس کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ آئندہ جو نظام تعلیم مرتب کیا جائے اس میں استادوں کی حیثیت اور ان کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کا خیال رکھا جائے، نئی قومی حکومت کا یہ فرض اولین ہوگا۔" (۱۴)

مولانا آزاد کی خدمات صرف تعلیمی محکمے کے انتظامی امور تک ہی محدود نہیں تھیں بلکہ وہ آزاد اور جدید ہندوستان کے عظیم ترین معماروں میں ایک تھے۔ انہوں نے تعلیم کی تنظیم و توسیع کی غرض سے بہت سے اقدامات کئے، جس سے ان کی تنظیمی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ ان تنظیمی اقدامات کے پس پردہ مولانا آزاد کی دور اندیشی، وسیع النظری اور کشادہ قلبی کو بڑا دخل ہے، جس کی وجہ سے انہوں نے ہندوستانی ثقافت و تہذیب کی ترجمانی کی اور اسی پس منظر میں قومی تعلیم کی آبیاری کی جیسا کہ عبداللہ ولی بخش قادری کے ان لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

"مولانا آزاد نے تعلیم کو قومی حالات و روایات کے تناظر میں دیکھا، ملکی افادیت اور مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے عصری تقاضوں کو سمجھا۔" (۱۵)

عہد وسطیٰ میں جب انتہا پسندی اور بے اعتمادی کی شورشیں عروج پر تھیں اس وقت

---

(۱۳) فکر و نظر (سہ ماہی) علی گڈھ۔ ۱۹۹۲ء۔ مظفر حسین غزالی (ص ص۔ ۷۹۔ ۷۸)
(۱۴) مولانا ابوالکلام آزاد (ذہن و کردار) عبدالمغنی (ص۔ ۸۷)
(۱۵) آج کل (مولانا آزاد نمبر) دہلی۔ نومبر ۱۹۸۸ء مولانا آزاد قومی تعلیمی پالیسی ۱۹۸۶ء کے پیش رو مفکر۔ عبداللہ ولی بخش قادری (ص۔ ۷۷)

مولانا آزاد نے اپنے غیر معمولی فہم و فراست اور دور اندیشی سے قدیم و جدید افکار کا خوشگوار امتزاج پیدا کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے ایک طرف سائنسی نقطۂ نظر اور فلسفیانہ زاویۂ نگاہ سے ملک کے عصری مسائل کا تجزیہ کیا اور دوسری طرف ان روایتی اقدار کو بھی پیش نظر رکھا جو انہیں ہندوستانی اور اسلامی ورثے سے حاصل ہوا تھا۔ یہ انہی کی دانشوری کا کمال ہے کہ انہوں نے دنیا میں سب سے بڑی جمہوریت ہندوستان کو مخصوص "سیکولرازم" کا تصور دیا اور ملک میں اتحاد برقرار رکھنے کے لئے قومی تعلیم کی پرزور حمایت کی۔ وہ پرونیشنلزم کی تفریق سے سخت متنفر تھے اور اسے انڈین نیشنلٹی کے لئے سخت مضر خیال کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ہندوستان کی مختلف مذہبی جماعتوں کے اتحاد اور مختلف صوبوں کی یگانگت سے ہندوستان میں قومی اتحاد بحال کیا جاسکتا ہے۔

دراصل مولانا آزاد قومی ذہن کی تشکیل کو تعلیم کا جوہر سمجھتے تھے۔ وہ بذریعۂ تعلیم انسانوں کی اخلاقی، روحانی اور سماجی قدروں کو فروغ دینا چاہتے تھے۔ نیز طلبہ کو تہذیبی وراثت کا امین اور جدید عصری حیثیتوں کا مالک بنانا چاہتے تھے۔ انہوں نے درسگاہوں میں مذہبی تعلیم کے بجائے اقدار کی تعلیم اور رواداری پر بہت زور دیا۔ قومی تعلیم کے ذریعے انہوں نے بین الاقوامی اتحاد بحال کرنے کی کوشش کی اور عالمی تعلیمی تسلسل سے عالمگیر انسانیت کا رشتہ قائم کرنے کا تصور واضح کیا۔ بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ مولانا ابوالکلام آزاد، بحیثیت وزیر تعلیم آزاد ہندوستان کے جلیل القدر معمار اول تھے۔

۲.تعلیمی نظریه:

آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد درحقیقت معلم بھی تھے اور ماہر تعلیم بھی تھے۔ ان کی عالمانہ انفرادیت پر بحث کرتے ہوئے خواجہ غلام السیدین رقمطراز ہیں۔

"معلم اور ماہر تعلیم کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تو وہ لوگ جو تعلیم کے اصولوں اور نظریوں کا باقاعدہ مطالعہ کرتے ہیں اور اسکولوں اور کالجوں میں اس کا عملی تجربہ کرتے ہیں، ان کو تعلیم کا فنی ماہر سمجھا جاتا ہے اور دوسرے وہ جن کو قدرت نے ایک خلاق فکر دیا ہے، جو ایک گہری نظر اور بصیرت رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ دنیا میں انسان کا کیا مقام ہے اور جن کی انگلیاں انسان کی زندگی اور اس کے امکانات کی نبض پر رہتی ہیں۔ مولانا کا شمار ان ہی عصر آفرین معلموں میں

ہے۔"(۱)

مولانا آزاد ملک کی تعلیمی پالیسی کے سچے نقیب ہی نہیں تھے بلکہ تعلیم کے بارے میں ان کے ذاتی تجربات بھی تھے۔ حالانکہ انہوں نے باقاعدہ کسی اسکول یا مدرسے میں تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن جدید و قدیم نظام تعلیم کا عمیق مطالعہ کیا تھا۔ وہ عربی، فارسی اور اردو کے جید عالم تھے۔ منطق، فلسفہ اور عالمی تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی۔ مشرقی علوم سے انہیں بے حد لگاؤ تھا اور جدید سائنسی علوم کی اہمیت کو بھی وہ بخوبی سمجھتے تھے۔ وہ حب وطن سے سرشار تھے لیکن انہوں نے اپنے آپ کو وطنیت کے حصار میں قید نہیں کیا۔ وہ مسلک انسانیت کے قائل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خیالات و تصورات میں آفاقیت کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم کی حیثیت سے انہوں نے یونیسکو میوزیم میں "مشرق و مغرب میں انسان کا تصور اور تعلیمی فلسفہ" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے اپنا تعلیمی نقطۂ نظر ان لفظوں میں واضح کیا تھا۔

"ہماری پنج سالہ یوجنا کا مرکزی مقصد مادی وسائل اور ذرائع کی توسیع اور ان کا بہتر استعمال نہیں بلکہ نیا ذہن اور نئی سیرت پیدا کرنا ہے اور اس کے لئے صنعت و حرفت اور تجارت، بجلی اور پانی سے زیادہ صحیح تعلیم کا رواج ہے۔۔۔ ہماری تعلیم کی روح مشرقی ہونی چاہیے۔ تاکہ لوگ اپنی تہذیب کی قدروں کو پہچانیں اور ان کے سرچشموں سے فیض حاصل کریں۔" (۲)

اس اقتباس سے مولانا آزاد کے تعلیمی نظریات کی بنیادی اصل کا پتہ چلتا ہے کہ وہ مشرقی علوم کے ساتھ ساتھ جدید مغربی علوم کے فلسفہ و افکار کو بھی نہایت اہم سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ دونوں علوم کے امتزاج سے انسان سائنس کا صحیح استعمال سیکھ سکتا ہے اور اس کے ذریعے ان بنیادی مقاصد کو حاصل کر سکتا ہے جو انسانی فطرت کے تقاضوں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ انہوں نے اسی نظریۂ تعلیم کے ذریعے ہندوستان کے تعلیمی نظام کی تشکیل و تنظیم کے مسائل حل کئے اور اسے قومی رنگ و آہنگ عطا کیا۔

آزاد ہندوستان میں تعلیمی اداروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک مسلمانوں کا دینی ادارہ جو خالص مذہبی تعلیم پر مبنی تھا اور دوسرا سرکاری ادارہ جو برطانوی نظام تعلیم کے زیر اثر تھا۔

---

(۱) فکر و نظر (سہ ماہی) علی گڈھ۔ ابوالکلام آزاد نمبر اگست ۱۹۸۹ء مولانا آزاد اور تعلیم۔ جناب محمد قاسم صدیقی (ص۔۱۶۵)

(۲) ایضاً (ص۔۱۶۷)

مذہبی ادارے جدید معاشرے کی ضرورتوں کو پورا کرنے سے قاصر تھے اور حکومت سے ملحق ادارے برطانوی سامراج کے پروردہ افراد تیار کر رہے تھے۔ مولانا آزاد کا تعلیمی نقطۂ نظر ان دونوں اداروں کے طریقۂ کار کی نفی کرتا تھا۔ وہ دینی مدارس کی اہمیت کے قائل اور معترف ضرور تھے لیکن انہیں یہ شکایت تھی کہ یہ ادارے صرف اپنے نصاب ہی پر قائم تھے اور وقت کی نبض کو نہیں پہچانتے تھے۔ مولانا چاہتے تھے کہ علماء موجودہ دور کی ضرورتوں کے پیش نظر جدید نصاب کو بھی اپنے مدارس میں داخل کریں۔ وہ دینی مدارس کے نصاب اور طریقۂ فکر کے بہت شاکی تھے۔ انھوں نے علوم جدیدہ کی اہمیت کو نمایاں کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

"سچ پوچھئے تو ایک لحاظ سے آپ من و حبہ وہ فضیلت رکھتے ہیں۔ آپ کے ائمہ و پیشوا فلاسفہ یورپ میں جنہوں نے بہر حال دنیا کے آگے تجربہ و استقرا اور کشفیات علمیہ کا دروازہ کھولا۔ ان میں ایک لڑکا جو پانچویں کلاس میں سائنس اور طبیعات کی ریڈر پڑھتا ہے۔ شاید آپ کے مدارس کے منتہوں سے زیادہ صحیح راہ پر ہے جو صدرا اور شمس بازغہ سے بھی آگے بڑھ چکے ہیں۔" (۳)

در اصل اس زمانے میں مسلمانوں میں خواہ وہ امیر ہو یا غریب، یہ ایک عام خیال تھا کہ دینی تعلیم فرض کفایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ بقول ڈاکٹر مشیر الحق "غالبًا" علمأ امتی کا نبیأ بنی اسرائیل" (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں) کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ قیامت کے دن علماء اپنے والدین اور اہل خاندان کی بخشش کا سبب بنیں گے"۔ (۴)

مولانا آزاد نے ۲۲ فروری ۱۹۴۷ء کو لکھنؤ میں نصاب کمیٹی کے ایک جلسے کو خطاب کرتے ہوئے مدارس کے نصاب اور اس کے مسائل پر بھرپور بحث و تنقید کی۔ انھوں نے کہا۔

"میں یہ کہنے کی جرأت کروں گا کہ ان سے چند کتابوں کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور علوم حاصل نہیں ہوتے۔ آپ جانتے ہیں کہ چند کتابوں کا علم حاصل کرنے میں اور نفس علم حاصل کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس تبدیلی سے روز بروز تمام تر اعتماد کتابوں پر ہوتا گیا اور جو پچھلا طریقہ املا کا تھا اور زبانی درس کا تھا وہ روز بروز ختم ہوتا گیا"۔ (۵)

---

(۳) افکار آزاد۔ محمد عثمان فارقلیط (ص۔ ۱۰۹)
(۴) مسلمان اور سیکولر ہندوستان۔ ڈاکٹر مشیر الحق (ص۔ ۵۲)
(۵) فکر و نظر (سہ ماہی) علی گڈھ۔ ابوالکلام آزاد نمبر اگست ۱۹۸۹ء مولانا آزاد اور تعلیم۔ جناب محمد قاسم صدیقی (ص۔ ۱۶۶)

دینی مدارس کے نصاب میں علوم جدیدہ داخل کرنے کا مولانا آزاد کا مقصد یہ تھا کہ سائنس اور ٹکنالوجی، فلسفہ وانگریزی اور سماجی علوم کی ترقیوں سے طلبہ واقف ہو سکیں اور دینی و دنیوی فکر کے باہمی امتزاج سے وہ اپنے فطری تقاضوں کو پورا کر سکیں اور اس طرح وہ ایک مکمل انسان بنیں ۔وہ نئے علوم کی پر زور حمایت کرتے تھے لیکن دینی علوم سے ہرگز روگرداں نہیں تھے ۔وہ تعلیم میں توازن اور میانہ روی اختیار کرنا چاہتے تھے جو اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے ۔اسی تعلیمی روشنی میں انہیں قوم کی فلاح و بہبود نظر آتی ہے۔اپنے تعلیمی نقطۂ نظر کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے مولانا آزاد فرماتے ہیں ۔

"میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جنہوں نے معقولات قدیم کے یک قلم بے کار ہونے کا شور مچا رکھا ہے اور اصلاح نصاب تعلیم کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ اس کے تمام دفتر کو بالکل ے ناب کر دیا جائے کیونکہ اس عہد کے ہر کلمۂ اصلاح کی طرح اس کلمہ میں بھی سچ کے ساتھ جھوٹ مل گیا ہے ۔"(٦)

مولانا آزاد کی نظر بہت وسیع اور ذہن کشادہ تھا۔ اس لئے ان کا تعلیمی تصور عالمگیر انسانیت کی طرف تھا۔ لہٰذا وہ تعلیمی نظام میں بھی کلاسیکی مشرقی دینی علوم اور مغربی جدید علوم کے سنگم سے ایک علمی تسلسل قائم کرنا چاہتے تھے اور اس کے ذریعے انسانوں کی فکر و نظر میں تبدیلی کے خواہاں تھے ۔ حقیقی علم سے متعلق ان کا تصور واضح تھا۔ وہ طلبہ کو مذہبی علوم کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم دینا بھی لازمی قرار دیتے تھے ۔ حقیقی علم اور حقیقی مذہب کے مفہوم کا فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے تجزیہ کرتے ہوئے مولانا آزاد خود تحریر فرماتے ہیں ۔

"علم اور مذہب کی جتنی نزاع ہے فی الحقیقت علم اور مذہب کی نہیں ہے ۔یہ مدعیان علم کی خامکاریوں اور مدعیان مذہب کی ظاہر پرستیوں اور قواعد سازیوں کی ہے۔ حقیقی علم اور حقیقی مذہب اگرچہ چلتے ہیں الگ الگ راستوں سے مگر بالآخر پہنچ جاتے ہیں ایک ہی منزل پر۔" (٧)

دینی مدارس کے ساتھ ساتھ مولانا آزاد نے سرکاری مدارس کا بھی بغور مشاہدہ کیا ۔وہ جانتے تھے کہ آج کی بدلتی دنیا میں جب کہ قومی زندگی نئے روپ لے رہی ہے،ہماری تعلیم زندگی کے اصلی دھارے سے لگ کر اسی پرانے ڈھرّے پر چل رہی ہے اور بدلتے ہوئے حالات سے میل

(٦) فکر و نظر (سہ ماہی) علی گڈھ ۔ابوالکلام آزاد نمبر۔اگست ١٩٨٩ء مولانا آزاد اور تعلیم۔ جناب محمد قاسم صدیقی (ص۔١٦٧)
(٧) غبار خاطر (ابوالکلام آزاد) مرتبہ مالک رام (ص۔ ٤٠)

نہیں کھاتی۔ "نہ تو وہ ہماری روز مرہ کی ضرورتوں پورا کر رہی ہے اور نہ اس کے سامنے کوئی ایسا بلند تخیل ہے جو قوم کے مردہ جسم میں جان ڈال دے۔" (۸)

انہوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ برطانوی طریقۂ تعلیم کی وجہ سے ملک کی نئی نسل گمراہ ہو رہی تھی۔ان کے ذہنوں میں غلامی اور علیحدہ گی پسندی کا زہریلا مادّہ سرایت کر رہا تھا۔نئی نسل صرف ملازمتیں حاصل کرنے کے لئے تعلیم حاصل کر رہی تھی۔ چنانچہ مولانا آزاد نے برطانوی سرکاری تعلیم کے مضر اثرات پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ہندوستان میں سرکاری تعلیم نے جو نقصانات ہمارے قومی خصائل و اعمال کو پہنچائے ہیں ،ان میں سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ تحصیل علم کا مقصد اعلیٰ ہماری نظروں سے محجوب ہو گیا ہے۔علم خدا کی ایک پاک امانت ہے اور اس کو صرف اس لئے ڈھونڈنا چاہئے کہ وہ علم ہے لیکن سرکاری یونیورسٹیوں نے ہم کو ایک دوسری راہ بتلائی ہے۔ وہ علم کا شوق اس لئے دلاتی ہے کہ بلا اس کے سرکاری نوکری نہیں مل سکتی۔ پس اب ہندوستان میں علم کو علم کے لئے نہیں بلکہ معیشت کے لئے حاصل کیا جاتا ہے۔یہ بڑی بڑی تعلیمی عمارتیں جو انگریزی تعلیم کی نو آبادیاں ہیں۔کس مخلوق سے بھری ہوئی ہیں؟مشتاقانِ علم اور شیفتگانِ حقیقت سے؟ نہیں۔ایک مٹھی گیہوں اور ایک پیالہ چاول کے پرستاروں سے، جن کو یقین دلایا گیا ہے کہ بلا حصول تعلیم کے وہ اپنی غذا حاصل نہیں کر سکتے۔" (۹)

مولانا آزاد نے اپنے عہد وزارت میں اپنے پختہ کار ذہن ،حق نگر دل اور چشم بصیرت سے غلامی کے بجائے آزادی اور حب الوطنی، تعصب کے بجائے مذہبی رواداری اور مغربیت پر فخر کرنے کے بجائے اپنے تہذیبی ورثوں پر فخر کرنا تعلیمی مقاصد میں شامل کیا۔ ان کے نزدیک تعلیم کا مقصد ایک مٹھی گیہوں اور ایک پیالہ چاول حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ اس کے ذریعے طلبہ کے ذہنوں کو بیدار کرنا اور انہیں خود کفیل بنانا تھا۔ وزیر تعلیم بننے کے بعد مولانا آزاد نے برطانوی نظام تعلیم کے متعلق فرمایا۔

"اب تک تعلیم پر ہمارا کوئی کنٹرول نہیں تھا۔ اس پر غیر ملکی حکومت کا قبضہ تھا۔جو کچھ انہوں نے پڑھایا، ممکن ہے صحیح ہو۔لیکن جس طرح پڑھایا اس نے ہمارے ذہنوں کو بجائے کھولنے

---

(۸) بنیادی قومی تعلیم کا نصاب (ڈاکٹر ذاکر حسین کی رپورٹ) (ص۔۱۳)

(۹) ایوان اردو دہلی) مولانا ابوالکلام آزاد نمبر دسمبر ۱۹۸۸ء مولانا آزاد اور اندیشۂ تعلیم۔ عقیل الغروری (ص۔۱۸۱)

کے بند کر دیا۔۔۔ موجودہ تعلیمی نظام کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس نے قومی ذہن کو بدلنے اور ترقی یافتہ بنانے میں ہماری کچھ رہنمائی نہیں کی ہے۔" (۱۰)

آزادی کے بعد تعلیم کی باگ ڈور سنبھالتے ہی مولانا آزاد از سر نو تعلیمی تشکیل و تنظیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ ملک تقسیم ہو چکا تھا۔ جواہر لال نہرو ملک کے وزیر اعظم بنے۔ گاندھی جی ایک ہمہ جہت شخصیت تھے اور ان کا واضح نظریۂ تعلیم تھا۔ وہ ملک کو مشینوں کی حکومت کی طرف لے جانا نہیں چاہتے تھے اور بڑے بڑے کارخانوں کے بجائے گھریلو صنعتوں کو فروغ دینا چاہتے تھے۔ اس کے برعکس جواہر لال نہرو نے جدید صنعتوں کے قیام کی حمایت کی۔ بحیثیت وزیر تعلیم، مولانا کے سامنے ملک کی تعلیمی نوعیت کا سوال تھا کہ اس کا رخ جدید ٹکنالوجی اور سائنس کی طرف ہو یا گھریلو صنعتوں کی طرف۔ مولانا آزاد نے دوسرے معاملات کی طرح یہاں بھی توازن کو اپنایا۔ یعنی گھریلو صنعتوں کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے کارخانے بھی، لیکن تعلیم کا رخ بڑے کارخانوں ہی کی طرف رہا۔

مولانا آزاد تعلیم کے ذریعے لوگوں میں ذہنی بیداری، اتحادوترقی، مذہبی رواداری اور بین الاقوامی بھائی چارگی دیکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے نظام تعلیم کی تشکیل میں ان تمام پہلوؤں پر زور دیا۔ وہ سائنس اور ٹکنالوجی کی اہمیت بخوبی سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے اس کی حمایت کی۔ وہ جدید تعلیم کے ذریعے انسانوں کے انداز فکر میں تبدیلی کے خواہاں تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ انداز فکر مثبت اور منفی دونوں ہو سکتے ہیں اور ان سے تعمیر و تخریب دونوں کا کام لیا جا سکتا ہے۔ مولانا آزاد کے اس متوازن تعلیمی نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے خواجہ غلام السیدین یوں رقمطراز ہیں۔

" مولانا کا کہنا ہے کہ اگر انسان محض ایک ترقی یافتہ حیوان ہے تو وہ سائنس کے ذریعے صرف ان ہی اغراض و مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا جن کی بنیاد اس کے حیواناتی جذبات اور جبلتوں پر رکھی گئی ہے۔ بر خلاف اس کے اگر وہ ذات الٰہی کا ایک پر تو ہے تو سائنس کو بھی مشیت الٰہی کی تکمیل کا ایک وسیلہ بنائے گا۔ یعنی کاوش کرے گا کہ کس طرح اس کی مدد سے دنیا میں امن و سلامتی اور انسان دوستی کی کار فرمائی قائم ہو سکتی ہے۔" (۱۱)

یہی وجہ ہے کہ مولانا آزاد نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ مشرق و مغرب کے تعلیمی فلسفوں کو

---

(۱۰) فکر و نظر (سہ ماہی) علی گڈھ ۱۹۹۲ء مظفر حسین غزالی (ص۔ ۴۷)

(۱۱) مولانا آزاد، سر سید اور علی گڈھ۔ محمد ضیاء الدین انصاری (ص۔ ۴۳)

وسیع تر تصور میں جمع کر کے ایسے متوازن اور مکمل نظام تعلیم کی بنیاد ڈالی جائے جو فرد اور سماج کے مطالبات میں ہم آہنگی پیدا کر سکے۔ چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے حصول کے لئے قومی تعلیم کی حمایت کی اور اس کے ذریعے عقائد، اعمال صالح اور اخلاقی اقدار پر زور دیا۔ڈاکٹر کے جی سیدین، مولانا آزادؔ کے فلسفہ تعلیم پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" If National education was devoid of this element, there would be no appreciation of moral values or moulding of character on humane lines." (12)

مولانا آزادؔ کی ذات مجسم علم تھی اور وہ وزیر تعلیم ہونے کے ساتھ ساتھ معلم اخلاق بھی تھے۔ ان کے نزدیک مذہبی تعلیم کے ارفع و صالح تصور کو سامنے رکھنے سے کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔ بشر طیکہ مذہبی تعلیم کا مقصد رواداری، وسیع النظری اور انسان دوستی ہو۔انہوں نے اسلامی فکر اور مشرق و مغرب سے اپنا فلسفہ حیات اختیار کیا تھا۔عبداللہ ولی بخش قادری، مولانا آزادؔ کے تعلیمی نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مولانا کی کشادگیٔ قلب و نظر کی بدولت ان کا تعلیمی تصور بھی عالمگیر انسانیت کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔وہ ایک ہم آہنگ سماج میں معقول و معتدل شخصیت کی تشکیل کو تعلیم کا منصب قرار دیتے ہیں۔ان کا خیال تھا کہ اس کرۂ عرض کے بسنے والوں کے جذبات میں بڑی حد تک یکسانیت ہے اور فکر انسانی فی الحقیقت ایک ہی ہے۔ لہٰذا مقامی رنگ و آہنگ کی آمیزش اور ماحول کے امتیازات کو قبول کرنے کے باوجود فرزند آدم کی خلقت میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔" (۱۳)

مولانا آزادؔ نے مذہبی رواداری کی تعلیم و تربیت پر بہت زور دیا اور بتایا کہ مذہب کا مقصد آپس کا نفاق نہیں ہے بلکہ اتفاق ہے۔وہ فصل کی نہیں بلکہ وصل کی تعلیم دیتا ہے۔انہوں نے مذہبی رواداری کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

"پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ بچّے کے ذہنی ارتقاء میں مذہب خلل انداز ہوتا ہے لیکن اب یہ خیال ہو چلا ہے کہ مذہبی تعلیم کسی بھی صورت میں مضر نہیں۔ اگر قومی تعلیم میں اس عنصر کا فقدان

---

(۱۲) Maulana Azad's Contribution to Education. Dr. K.G. Saiyyadain (ص۔۲۵)

(۱۳) تعلیمی افکار و مسائل۔ عبداللہ ولی بخش قادری (ص۔۵۶)

ہو گا تو نہ اخلاقی اقدار کی کوئی قدر و قیمت باقی رہے گی اور نہ انسانیت کی بنیاد پر تعمیر کی سیرت کی مہم سر ہو سکے گی"۔(۱۴)

مولانا آزاد کا عقیدہ یہ تھا کہ دنیا کے تمام مذاہب یکساں احترام کے قابل ہیں۔چنانچہ ہمیں انسان کی عظمت کا پاس رکھنا چاہئے۔ان کے نزدیک مذہبی تعلیم کا مقصد وسیع النظری، رواداری اور انسان دوستی ہے۔ انہوں نے رواداری کا مفہوم واضح کرتے ہوئے بتایا کہ ہمیں بدی اور بد کا فرق سمجھنا چاہئے۔ان کا خیال ہے کہ ہمیں برائی سے نفرت کرنا چاہئے، برائی کرنے والے سے نہیں۔ٹھیک اس طرح جیسے ڈاکٹر مرض دور کرنے کے لئے نشتر چلاتا ہے اور آپریشن کرتا ہے لیکن ساتھ ہی مریض سے ہمدردی بھی رکھتا ہے۔مولانا آزاد نے تعلیم میں استاد کا منصب بھی اسی کو قرار دیا کہ وہ شاگردوں کی زندگی سے ان کی بد اعمالیوں کو دور کریں لیکن ان کی ذات کو عزیز رکھیں۔ان کے نزدیک یہ فعل عین مذہب کے مطابق ہے۔سائنس کے متعلق ان کا خیال تھا کہ وہ خدا کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور اس کی جگہ لا ارادی ہے۔ لہٰذا ایسی حالت میں اطمینان و تسکین کے لئے دین و وحی کی مثبت آواز کی ضرورت ہے۔

مولانا آزاد نے ہندوستان کی سیکولرازم کو مدّ نظر رکھتے ہوئے مذہبی تعلیم کو سرکاری اسکولوں کے نصاب میں داخل ہونے سے باز رکھا لیکن اس کی بنیادی تعلیمات سے استفادہ کرنے کی پر زور ہدایت کی، جو دنیوی تعلیم کے لئے ناگزیر ہے۔انہوں نے اپنی نگرانی میں ایسی تعلیمی پالیسی مرتب کی جس سے متحدہ قومیت کے نظریے اور سیکولر قدروں کو فروغ حاصل ہوا۔انہوں نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا۔

"ادب، فنون لطیفہ، سائنس و ٹکنالوجی اور پیشہ وارانہ تعلیم کی تمام شاخوں کے نظام کو ایسی سیکولر بنیادوں اور غیر فرقہ ورانہ اصولوں پر قائم کرنا ہے، جس میں ملک کے تمام بسنے والوں کو ایک عالمی اور انسانی نقطۂ نظر کے ساتھ آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے یکساں مواقع فراہم ہوں"۔(۱۵)

مولانا آزاد کی بالغ نظری اور دور اندیشی نے یہ بھی محسوس کیا کہ قومی اتحاد کی راہ میں زبانوں کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ چنانچہ انہوں نے زبانوں کے تعلق سے "سہ لسانی فارمولا" پیش کیا تھا

---

(۱۴) مولانا ابوالکلام آزاد (ذہن و کردار) عبدالمغنی (ص۔۸۵)

(۱۵) فکر و نظر (سہ ماہی) علی گڈھ۔ ۱۹۹۲ء۔مظفر حسین غزالی (ص۔۷۴)

۔وہ ہندوستان کی ملی جلی قومی زبان ہندوستانی یعنی اردو کو ملک کی قومی زبان بنانا چاہتے تھے اور انگریزی زبان کو بین الاقوامی زبان کے طور پر پڑھانا چاہتے تھے اور دستور میں منظور شدہ زبانوں میں سے کوئی ایک جنوبی زبان ،شمال کے لوگوں کو اور کوئی ایک شمالی زبان ،جنوب کے لوگوں کو پڑھائے جانے کی انہوں نے تجویز رکھی۔ لیکن بد قسمتی سے قومی زبان کے سلسلے میں تنازعہ کھڑا ہو گیا اور انہیں ہندی نواز شدت پسندوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ۔مولانا آزاؔد کا ہندوستانی (اردو) زبان کو قومی زبان بنانے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا۔ اس بات کا انہیں زندگی بھر ملال رہا۔اپنی زندگی کی آخری تقریر میں بھی انہوں نے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کی زندگی میں اردو کو جو واقعی جگہ ہے وہ ملنی چاہئے ۔۔۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اردو کی جگہ کیا ہے؟اس کی وہی حیثیت ہے جو دوسری زبانوں کی ہے ۔۔۔اردو ایک ایسی زبان ہے جو کثرت کے ساتھ بولی جاتی ہے ۔نہ صرف شمال میں بلکہ جنوب میں بھی“۔ (۱۶)

مولانا آزاؔد تعلیم نسواں کے متعلق دیگر ماہر تعلیم کی بہ نسبت کسی حد تک ترقی پسند واقع ہوئے تھے ۔وہ لڑکیوں کی تعلیم کو بہت ضروری خیال کرتے تھے ۔ تعلیم نسواں کی اہمیت پر بحث کرتے ہوئے وہ خود تحریر فرماتے ہیں ۔

”جب انسانی قویٰ کی نشو و نما ،تمدن اور شائستہ زندگی کے لئے ضروری ہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ عورتیں اس عقلی نشو و نما سے محروم رکھی جائیں ؟مردوں نے علوم و فنون ،انتظام سیاست اور دنیا کے تمام تمدنی مشاغل اپنے لئے مخصوص کر لئے ہیں اور عورتیں اس دنیا سے بالکل الگ رکھی گئی ہیں ۔اول تو انہیں تعلیم نہیں دی جاتی اور اگر کسی کا نرم دل اس کے مظلومانہ حال پر متاسف ہوتا بھی ہے تو صرف معمولی تعلیم ان کے لئے ضروری خیال کی جاتی ہے۔کیا وہ انسان نہیں ہیں ؟کیا ان میں دماغی قوتیں موجود نہیں ہیں؟اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا یہ صریح ظلم نہیں ہے کہ عملی دنیا کے شائستہ مشاغل سے انہیں یک لخت محروم کر دیا جائے؟“ (۱۷)

مولانا آزاؔد نے تعلیم نسواں کے ساتھ ساتھ تعلیم بالغاں کی طرف بھی خاطر خواہ توجہ

---

(۱۶) مولانا ابوالکلام آزاؔد (ذہن و کردار) عبدالمغنی (ص۔۸۹)

(۱۷) مسلمان عورت (ابوالکلام آزاؔد) اعتقاد حسین صدیقی (ص۔۱۳)

کی۔انہوں نے اپنے عہد وزارت میں سنسکرت اور ہندوستان کے قدیم اثاثے کی بازیافت اوراس کی تعلیم و تدریس پر بھی زور دیا اور اسے ہندوستان کا عظیم ورثہ قرار دیا۔سائنس کی تعلیم و ترقی کے لئے شانتی سروپ بھٹناگر جیسے قابل سائنسدان کی سرکردگی میں سائنس کا اعلیٰ تحقیقاتی ادارہ بنایا اورجدید ٹکنالوجی کو فروغ دیا۔تعلیم کی توسیع و ترقی کے لئے انہوں نے اعلیٰ تعلیم کا معیار مقرر کیا،فنون لطیفہ کے فروغ کے لئے کئی اکادمیاں قائم کیں۔نیز سرکاری مدارس کے نصاب میں انہوں نے سماجی علوم،انگریزی اور سائنس کے ساتھ کلاسیکی زبانوں کو بھی داخل کرنے کی حمایت کی۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مولانا آزاد نے ملک کو جو تعلیمی پالیسی دی،وہ ابھی تک ہندوستان میں ناخواندگی اور جہالت کو دور کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی لیکن اتنا ضرور ہوا کہ آج ہمارا ملک پوری دنیا میں چین اور جاپان کے بعد سائنسی تعلیم میں سب سے آگے ہے۔مولانا آزاد کے زمانۂ وزارت میں بہت سے اعلیٰ تعلیمی مراکز قائم کئے گئے۔بقول سید نوراللہ اور جے۔پی۔نائک ”حصول آزادی کے وقت ۱۹ یونیورسٹیاں تھیں۔دوسرے پنج سالہ منصوبے کے اختتام تک ۴۶ ہوگئی تھیں اور اندازہ لگایا گیا ہے کہ تیسرے منصوبے کے ختم ہونے تک یہ ۶۱ ہو جائینگی“۔(۱۸)

اس تیز رفتار تعلیمی ترقی میں بلا شبہ مولانا آزاد کی گرانقدر تعلیمی رہنمائی اور کار فرمائی شامل ہے۔در اصل انہوں نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنی فکر کا نقش تعلیم وتربیت کے ہر پہلو پر ثبت کر دیا۔ان کی گہری سوجھ بوجھ،فہم و فراست اور کدو کاوش سے نہ صرف تعلیمی اداروں کی ہمہ جہت توسیع ہوئی بلکہ ان کی قابل قدر رہنمائی کی وجہ سے ملک کے نہایت اہم اور نازک موڑ پر ہماری تعلیم اور کلچر کا تصور مسخ ہونے کے بجائے مزید منور اور تابناک ہوگیا۔

ہندوستان میں مولانا آزاد کے بعد ۱۹۸۶ء میں جو نئی قومی تعلیمی پالیسی ترتیب دی گئی،اس کے ہر پہلو پر ان کے تعلیمی نظریات و فلسفہ کا عکس صاف جھلکتا نظر آتا ہے۔آج ہمارے ملک نے تعلیم کے میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے اور ریاستی سرکار اسے ترقی کی شاہراہ پر تیزی سے آگے بڑھا رہی ہے۔اس تیز رفتار ترقی میں مولانا آزاد کی قابل قدر تعلیمی رہنمائی کا بہت اہم رول ہے۔یہ انتہائی مسرت کی بات ہے کہ ابھی حال ہی میں ۱۰،اگست ۱۹۹۸ء کو حیدرآباد میں منعقد انٹر نیشنل اردو کانفرنس میں ”مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی“ کے لئے دوسو ایکڑ زمین کا قبضہ مل چکا

(۱۸) تاریخ تعلیم ہند۔سید نوراللہ اور جے پی نائک۔مترجم مسعودالحق (ص۔۴۸۲)

ہے۔پروفیسر شمیم جے راجپوری کا خیال ہے کہ حاصل شدہ زمین پر بہت جلد چہار دیواری تعمیر کرا دی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی کیمپس کی تعمیر و ترقی کا منصوبہ بھی تیار کیا جائے گا۔موجودہ تعلیمی ترقی کو دیکھ کر بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تعلیم کی دنیا میں آج جو چمک دمک دکھائی دے رہی ہے اس کی روشنی کا منبع اسی معمار اوّل امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کا ذہن و دماغ ہے جس نے کافی غور وفکر کے بعد تعلیم کی تشکیل و تنظیم کی بنیاد رکھی تھی۔